ازخودنوٹس مقدمہ نمبر 4/2022ء کے متعلق

عشرت علی صاحب

1. عشرت علی صاحب، وفاقی حکومت کے ملازم جنھیں ڈیپوٹیشن پر سپریم کورٹ میں بطورِ رجسٹرار کام کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، کو وفاقی حکومت کی جانب سے نوٹیفکیشن مؤرخہ 3 اپریل 2023ء[1] کے ذریعے 'واپس بلالیا گیا' اور انھیں 'حکم دیا گیا کہ وہ فوری طور پر اسٹیبلشمنٹ ڈویژن کو رپورٹ کریں'۔ تاہم عشرت علی صاحب نے وفاقی حکومت کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔

2. 4 اپریل 2023ء کو عشرت علی صاحب نے خود کو غلط طور پر 'رجسٹرار' ظاہر کیا اور ازخود نوٹس مقدمہ نمبر 4/2022ء میں مزعومہ طور پر 'منگل، 4 اپریل 2023ء کے لیے عدالتی فہرست' اپنے دستخط سے جاری کی اور مزعومہ 'لارجر بنچ بوقت 2 بجے دوپہر' بھی تشکیل دیا۔ اس کے متعلق کہا گیا کہ یہ 'ایچ سی جے' یعنی عزت مآب چیف جسٹس' کے حکم پر' کیا گیا ہے۔

غیر قانونی مراسلہ

3. مقدمہ نمبر 4 کو 15 مارچ 2023ء کو ایک تین رکنی بنچ[2] کے سامنے مقرر کیا گیا تھا اور 29 مارچ 2023ء کو ایک حکم نامہ جاری کیا گیا تھا۔[3] اس حکم نامے کی تعمیل کے بجائے عشرت علی صاحب (جبکہ وہ ابھی رجسٹرار تھے) نے ایک ایسا کام کیا جو غیر معمولی تھا؛ انھوں نے ایک 'مراسلہ' جاری کیا جس میں کہا گیا کہ سپریم کورٹ کی جانب سے اس حکم نامے میں جاری کردہ کسی بھی رائے کو 'نظر انداز کیا جائے گا'۔[4] میں نے عشرت علی صاحب کو لکھا کہ ان کا 'مراسلہ'' ازخود نوٹس کیس نمبر 4/2022ء میں عدالتِ عظمیٰ کے ایک تین رکنی بنچ کی جانب سے جاری کردہ حکم نامے مؤرخہ 29 مارچ 2023ء کی نفی کرتا ہے، اسے کالعدم کرتا ہے اور اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔' ان کو یہ اطلاع بھی دی گئی کہ 'رجسٹرار کے پاس عدالتی حکم نامے کو کالعدم کرنے کے لیے کوئی طاقت یا اختیار نہیں، اور چیف جسٹس اس مقصد کے لیے کوئی انتظامی حکم جاری نہیں کرسکتے۔' خط کی نقل عزت مآب چیف جسٹس کو بھی بھیجی گئی۔ آج تک میرے خط کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

سپریم کورٹ کس سے تشکیل پاتی ہے

4. اسلامی جمہوریۂ پاکستان کا آئین ('آئین') سپریم کورٹ کو وجود میں لاتا ہے اور اس کی تعریف یہ طے کرتا ہے کہ یہ پاکستان کے چیف جسٹس اور سپریم کورٹ کے ججوں پر مشتمل ہے۔[5] حکم نامہ مؤرخہ 29 مارچ 2023ء، جو مقدمہ نمبر 4 میں جاری کیا گیا تھا، نے آئینی اور قانونی حیثیت واضح کی تھی، اور یہ کہ چیف جسٹس اپنے لیے یک طرفہ طور پر سپریم کورٹ کے تمام اختیارات حاصل نہیں کرسکتے۔ مناسب ہوگا کہ 29 مارچ 2023ء کے حکم نامے کے فقرات 27 اور 28 پیش کیے جائیں:

> 27. سپریم کورٹ کے پاس اختیار ہے کہ وہ مذکورہ بالا امور کو منضبط کرنے کے لیے قواعد وضع کرے۔ سپریم کورٹ چیف جسٹس اور تمام ججوں پر مشتمل ہے۔ احترام کے ساتھ، چیف جسٹس اپنی دانش کو آئین کی حکمت کی جگہ نہیں دے سکتے، جس نے ان امور کو طے کرنے کے لیے انھیں یک طرفہ اور اپنی مرضی کا اختیار نہیں دیا۔ چیف

---

[1] نمبر پی ایف۔(674)/ای-5(پی اے ایس) جاری کردہ اسٹیبلشمنٹ ڈویژن، کیبنٹ سیکرٹریٹ، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد، مؤرخہ 3 اپریل 2023ء۔ اس حکم کی نقل دیگر افراد کے علاوہ عشرت علی صاحب کو بھیج دی گئی تھی اور سرکاری گزٹ میں اس کی اشاعت کا حکم بھی دیا گیا تھا۔

[2] جسٹس قاضی فائز عیسیٰ، جسٹس امین الدین خان اور جسٹس شاہد وحید۔

[3] فیصلہ 1 کے مقابلے میں 2 کی اکثریت سے دیا گیا، جسٹس شاہد وحید نے اختلاف کیا۔

[4] نمبر رجسٹرار/2023/ایس سی جے مؤرخہ 31 مارچ 2023ء۔

[5] اسلامی جمہوریۂ پاکستان کا آئین، دفعہ 176۔

Kishan Lal Khan Zamri
Watermarkly

جسٹس اور سپریم کورٹ کے تمام ججوں کی جانب سے اجتماعی طور پر تعیین کا کام کوئی فرد اپنے طور پر نہیں کر سکتا، خواہ وہ فرد چیف جسٹس ہی کیوں نہ ہو۔

28. شہریوں کے مفاد کے لیے بہتر ہو گا کہ اس مقدمے اور ایسے تمام مقدمات کی سماعت ملتوی کی جائے جن کا نوٹس آئین کی دفعہ 184(3) کے تحت لیا گیا ہے، جب تک مذکورہ بالا امور کو منضبط کرنے کے لیے آئین کی دفعہ 191 کے مطابق ضروری قواعد نہ بنائے جائیں۔

مزعومہ 'لارجر بنچ' کے متعلق مفروضہ یہ ہے کہ اس کی تشکیل تب کی گئی جب یہ احساس حاوی ہوا کہ 'مراسلہ' واضح طور پر غیر آئینی اور غیر قانونی تھا، اور یہ کہ چیف جسٹس اسے جاری کرنے کے لیے ہدایات نہیں دے سکتے تھے۔

سپریم کورٹ کا اختیارِ سماعت

5. آئین نے طے کیا ہے کہ 'کسی عدالت کو کوئی اختیارِ سماعت حاصل نہیں ہو گا، سوائے اس کے جو اسے آئین، یا کسی قانون کی رو سے، یا اس کے تحت اسے دیا گیا ہو۔'[6] آئین نے چیف جسٹس تو درکنار، سپریم کورٹ کو بھی غیر محدود اختیارِ سماعت عطا نہیں کیا ہے۔ آئین نے سپریم کورٹ کو صرف درج ذیل انواع کا اختیارِ سماعت دیا ہے: (1) 'ابتدائی اختیارِ سماعت'[7]، (2) 'اپیل کے لیے اختیارِ سماعت'[8]، (3) 'مشاورتی اختیارِ سماعت'،[9] (4) 'مقدمات منتقل کرنے کے لیے اختیارِ سماعت'،[10] (5) 'نظر ثانی کے لیے اختیارِ سماعت'،[11] (6) 'توہینِ عدالت کے لیے اختیارِ سماعت'[12] اور (7) 'انتظامی عدالتوں اور ٹریبونلز کے فیصلوں کے متعلق اپیل کے لیے اختیارِ سماعت'۔[13]

آئینی حیثیت کی مزید وضاحت

6. اختیارِ سماعت کے اہم نکتے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے، فرض کریں کہ سپریم کورٹ کسی قتل کا مقدمہ خود سننے کا فیصلہ کر لیتی ہے اور پھر ملزم کو سزا دے دیتی یا بری کر دیتی ہے۔ سپریم کورٹ کی جانب سے اس اقدام کا کوئی قانونی اثر نہیں ہو گا کیونکہ نہ تو آئین نے اور نہ ہی قانون نے سپریم کورٹ کو فوجداری مقدمہ چلانے کا اختیارِ سماعت دیا ہے۔ تاہم یہ مقدمہ کوئی سیشن جج چلا سکتا ہے جو کہ سپریم کورٹ کے ججوں سے دو درجے نیچے ہے۔ اور دیوانی قانون سے مثال لیں، تو فیملی کورٹ کا کوئی جج تو عائلی قانون کے متعلق امور کا فیصلہ کر سکتا ہے، مگر یہ اختیارِ سماعت سپریم کورٹ کو حاصل نہیں ہے۔

'لارجر بنچ' اور 'حکم نامہ' مؤرخہ 4 اپریل 2023ء

7. آئین سپریم کورٹ کے 'بنچ' یا ججوں کو (خواہ ان کی تعداد کتنی ہی ہو) یہ اختیارِ سماعت نہیں دیتا کہ وہ سپریم کورٹ کے کسی حکم کے خلاف اپیل کا فیصلہ کرنے بیٹھ جائیں۔ اس لیے مزعومہ طور پر مقدمہ نمبر 4 کی سماعت کے لیے نام نہاد 'لارجر بنچ' کی تشکیل غلط تھی۔ 'لارجر بنچ' کو (آئینی) عدالت کی حیثیت حاصل نہیں تھی؛ اس کے پاس اختیارِ سماعت کی مذکورہ بالا انواع میں کوئی اختیار حاصل نہیں تھا؛ اور یہ کوئی 'حکم نامہ' جاری نہیں کر سکتا تھا۔ مزعومہ 'حکم نامہ' مؤرخہ 4 اپریل 2023ء، سپریم کورٹ کا حکم نامہ نہیں کہلا سکتا؛ اس کا کوئی آئینی اور قانونی اثر نہیں ہے۔ قانونی طور پر یہ بات غلط ہو گی کہ اسے حکم نامہ کہا جائے؛ اس لیے اس کو '4 اپریل کا نوٹ' کہا جائے گا۔

---

[6] ایضاً، دفعہ 175 (2)۔

[7] ایضاً، دفعہ 184۔

[8] ایضاً، دفعہ 185۔

[9] ایضاً، دفعہ 186۔

[10] ایضاً، دفعہ 186-اے۔

[11] ایضاً، دفعہ 188۔

[12] ایضاً، دفعہ 204۔

[13] ایضاً، دفعہ 212 (3)۔

Kismat Khan Zamri
Watermarkly

کیا29مارچ2023ء کے حکم نامے پر نظرِ ثانی کی جاسکتی تھی؟

8. تو کیا4اپریل کے نوٹ کی تعبیریوں کی جاسکتی ہے کہ یہ 29مارچ2023ء کے حکم نامے پر نظرِ ثانی کا حکم نامہ ہے؟اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ 'لارجر بنچ' ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اگر نظرِ ثانی کے اختیارِ سماعت کو استعمال کیا جاتا، تو مقدمہ نمبر 4 کو انھی ججوں کے سامنے سماعت کے لیے مقرر کیا جاتا جنھوں نے پہلے اسے 15 مارچ 2023ء کو سنا تھا،[14] لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

طریقِ کار میں بے ضابطگیاں

9. مذکورہ بالا آئینی دفعات کو نظر انداز کرنے کے علاوہ طریقِ کار کی درج ذیل بے ضابطگیوں کا بھی ارتکاب کیا گیا:

اَ. فہرست اسی دن جاری گئی اور ایسا صرف اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی بہت ہی غیر معمولی ایمر جنسی ہو، جبکہ موجودہ مقدمے میں ایسی کوئی ایمر جنسی نہیں تھی؛

ب. جس دن فہرست جاری کی گئی، اسی دن مقدمہ مقرر کیا گیا، اور وہ بھی عدالتی وقت کے بعد؛

ج. معاملے کے مقرر ہونے کے متعلق کوئی پیشگی نوٹس جاری نہیں کیا گیا؛

د. مجموعۂ ضابطۂ دیوانی، 1908ء، کے آرڈر XXVIIA کے مطابق اٹارنی جنرل پاکستان کو نوٹس جاری نہیں کیا گیا؛

ہ. اٹارنی جنرل کو نوٹس نہیں دیا گیا لیکن 4اپریل کا نوٹ یہ کہتا ہے کہ ایڈیشنل اٹارنی جنرل 'عدالتی نوٹس پر' موجود تھے؛ اور

و. پی ایم ڈی سی کے وکیل[15] (پیشگی نوٹس کے بغیر) حاضر تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو زبانی یا ٹیلی فون پر بلایا گیا، جو مناسب نہیں تھا۔

سینیئر ججوں کی ذمہ داری

10. چھے ججوں کو عجلت میں جمع کیا گیا اور بنچ کی سربراہی کرنے والے فاضل جج، اور ان کے بعد سینیئر ترین جج،[16] نے اکٹھا ہونے کے بعد چند منٹوں میں ہی معاملہ نمٹا دیا۔ فوری طور پر اسی دن 4 اپریل کا نوٹ جو 8 صفحات پر مشتمل ہے، جاری کیا گیا۔ اگر معاملے کو عام طریقے سے عام ضابطے کے مطابق مقرر کیا گیا ہوتا، مناسب نوٹس دیا گیا ہوتا، اور اس پر مناسب غور کیا گیا ہوتا، تو چار فاضل جونیئر ججوں کو شاید احساس ہو جاتا کہ ان کے سینیئر جو کچھ کر رہے تھے وہ آئین اور قانون کے مطابق نہیں تھا۔

نوٹ ایک اور پرانے نوٹ پر انحصار کرتا ہے۔

11. 4اپریل کا نوٹ کا اپنے فقرہ 7 میں اس بات کا حوالہ دیتا ہے جو انھی میں سے تین جج پہلے ایک اسی طرح کے معاملے میں کر چکے تھے۔[17] اس کے بعد میں نے ایک 15 صفحات کا نوٹ[18] لکھا تھا جس میں میں نے کوشش کی تھی کہ اپنے جلیل القدر ساتھیوں کے لیے واضح کر دوں کہ سپریم کورٹ کے اختیارِ سماعت کی مختلف انواع کیا ہیں اور یہ کہ آئین نے انھیں غیر محدود اختیارِ سماعت عطا نہیں کیا۔ تاہم، اور بدقسمتی سے، 4اپریل کے نوٹ نے اسے نظر انداز کیا (جس کی نشان دہی پہلے کی گئی تھی) اور اسی غلطی کو پھر دہرایا گیا۔ ہم ایک دوسرے سے سیکھتے ہیں، لیکن 4 اپریل کے نوٹ کے مصنفین نے 15 صفحات کا وہ توضیحی نوٹ نظر انداز کیا جو ان کے لیے مفید ہوتا۔

---

[14] سپریم کورٹ قواعد، 1980ء، آرڈر XXVI، قاعدہ نمبر 8۔ حکم نامہ مؤرخہ 29مارچ 2023ء جس بنچ نے جاری کیا تھا وہ جسٹس قاضی فائز عیسیٰ، جسٹس امین الدین خان اور جسٹس شاہد وحید پر مشتمل تھا۔ اس لیے یہ لازم تھا کہ اس کی سماعت یہی بنچ کرتا یا ایسا بنچ کرتا جس میں کم از کم فیصلہ لکھنے والا جج رکن ہوتا۔

[15] پاکستان میڈیکل اینڈ ڈینٹل کونسل (پی ایم ڈی سی) کی نمائندگی افنان کریم کنڈی صاحب، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ، نے کی۔

[16] بالترتیب جسٹس اعجاز الاحسن اور جسٹس منیب اختر۔

[17] از خود نوٹس مقدمہ نمبر 4/2021ء، پی ایل ڈی 2022 سپریم کورٹ 306، جسے جسٹس منیب اختر نے لکھا تھا۔

[18] مورخہ 24 اگست 2021ء۔ اس میں لکھا گیا تھا کہ اسے "فوراً سپریم کورٹ کی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کر دینا چاہیے" لیکن چیف جسٹس نے اسے اپ لوڈ کرنے سے روک دیا تھا۔ اس لیے پھر اسے میرے جلیل القدر ساتھیوں کو بھیج دیا گیا تھا۔

Kismat Khan Zmri
Watermarkly

40 سال تک (بطورِ وکیل اور جج) قانون کی پریکٹس کے بعد بھی میں خود کو قانون کا ایک طالب علم سمجھتا ہوں۔ تکبر اداروں کو تباہ کر دیتا ہے۔

4 اپریل کے نوٹ کا بناءِ استدلال

12. یہ نوٹ پاکستان کے چیف جسٹس کو 'ماسٹر آف رولز' کا لقب دیتا ہے، جو ایسی اصطلاح ہے جس کا وجود آئین میں، یا کسی قانون میں، حتیٰ کہ سپریم کورٹ کے قواعد، 1980ء، میں بھی نہیں پایا جاتا۔ اور اس مفروضے پر کہ چیف جسٹس 'ماسٹر آف رولز' ہے[19] اور اس کے پاس اختیار ہے کہ وہ اپنی مرضی پر عمل کرے، 4 اپریل کا نوٹ ایک اور پہلے سے لکھے گئے نوٹ پر (جس کے مصنف جسٹس منیب اختر تھے) انحصار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "یہ وضاحت اور صراحت کے ساتھ یہ اصول طے کرتا ہے کہ اس عدالت کا از خود اختیارِ سماعت مکمل طور پر اور تنِ تنہا عزت مآب چیف جسٹس ہی استعمال کر سکتے ہیں۔ اکثریتی حکم نامہ اس مسلّمہ قانونی ضابطے کی بھی، جو بدیہی ہے، بظاہر خلاف ورزی کرتا ہے کہ چیف جسٹس ماسٹر آف رولز ہے۔" بصد احترام، معزز جسٹس منیب اختر کا پچھلا نوٹ کوئی قانونی نظیر نہیں تھا۔ بہر حال مذکورہ استدلال کی کوئی آئینی یا قانونی بنیاد نہیں ہے۔ مذکورہ 'قانونی ضابطہ' کسی قانون کے ذریعے طے نہیں کیا گیا، نہ ہی یہ خود اپنے مقصد کے لیے خود کو 'قانونی ضابطہ' کہہ سکتا ہے، بالخصوص جبکہ یہ آئین کی خلاف ورزی کرتا ہے جو چیف جسٹس کو ایسے اختیارات نہیں دیتا۔

13. بصد احترام، یہ استدلال دیگر پہلوؤں سے بھی ناقص ہے۔ 29 مارچ 2023ء کے حکم نامے نے ان مقدمات کے متعلق جو آئین کی دفعہ 184(3) کے تحت دائر کیے جاتے ہیں یا ان کا نوٹس لیا جاتا ہے، طریقِ کار کے قواعد کی عدم موجودگی کی نشان دہی کی تھی۔ تاہم مقدمہ نمبر 4 میں آئین کی دفعہ 184(3) کے تحت (اضافی نمبرات کے معاملے میں) پہلے ہی نوٹس لیا جا چکا تھا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ 4 اپریل کا نوٹ ایک ایسے معاملے میں، جس میں 'لارجر بنچ' نے غلط طور پر اپنے لیے اختیارِ سماعت حاصل فرض کر لیا تھا، قرار دیتا ہے کہ 29 مارچ 2023ء کا حکم نامہ 'اس لیے اختیارِ سماعت کے بغیر بھی تھا اور اس سے متجاوز بھی'۔ 4 اپریل کے نوٹ کو آئینی یا قانونی جواز حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ آئین کے برعکس ہے۔

آئین

14. پچاس سال قبل، 10 اپریل 1973ء کو،[20] آئین کو قومی اسمبلی کے 200 میں سے 196 ارکان کی اتفاقِ رائے سے منظور کیا گیا تھا۔ اس کے خلاف ایک ووٹ بھی نہیں ڈالا گیا۔[21] آئین کا استناد اور اس کی پائیداری کا انحصار جمہوری بنیادوں پر ہے، اور یہ دستاویز ہی ہے جس نے وفاق کو باہم جوڑے رکھا ہے۔

عدلیہ

15. آئین عدلیہ کو وجود میں لاتا ہے۔[22] آئین تین ستونوں کا تعین کرتا ہے: مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ۔ عدلیہ کو آئین اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنے[23] اور مناسب عمل[24] کے تقاضے لاگو کرنے اور ان کی پابندی کرنے کی ذمہ داری دی گئی ہے۔ ہر جج اپنا عہدہ سنبھالنے سے قبل حلف اٹھاتا ہے: "میں اپنے فرائض و کارہائے منصبی ایمانداری، اپنی انتہائی صلاحیت اور دیانت داری کے ساتھ اسلامی جمہوریہ

---

[19] نوٹ کا فقرہ 7۔

[20] اسے صدارتی توثیق 12 اپریل 1973ء کو دی گئی۔

[21] 4 ارکان نے ووٹ دینے سے اجتناب کیا۔

[22] اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین، ساتواں حصہ، دفعات 175 تا 212۔

[23] ایضاً، دفعہ 4 (1)۔

[24] ایضاً، دفعہ 10۔اے۔

Kismat Khan Zimri

Watermarkly

پاکستان کے آئین اور قانون کے مطابق انجام دوں گا۔" جج "آئین کے دستور کو برقرار رکھنے، اس کا تحفظ اور دفاع کرنے" کا حلف بھی اٹھاتے ہیں۔ آئین عدالتوں کو اختیارِ سماعت بھی دیتا ہے اور مقدمات کے فیصلوں کے لیے بااختیار بھی کرتا ہے۔ اس لیے اگر غیر موجود اختیارِ سماعت استعمال کیا جائے، تو اس سے 'آئین کے مطابق' عمل کرنے کے حلف کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

اسلامی احکام

16. چیف جسٹس قابلِ احترام ہیں لیکن وہ 'ماسٹر' نہیں ہیں؛ ایسی غلامی اسلام کے لیے اجنبی ہے، اور آئین نے طے کیا ہے کہ تمام قوانین کو ریاست کے مذہب اسلام[25] کے احکام سے ہم آہنگ بنایا جائے گا۔[26] آئین کا آغاز اللہ تعالیٰ کے دو خوبصورت ترین ناموں الرحمان (بڑا مہربان) اور الرحیم (نہایت رحم کرنے والا)، سے ہوتا ہے اور قرار دیتا ہے کہ "کائنات پر حاکمیتِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے" اور اختیار کا استعمال ایک 'مقدس امانت' ہے۔[27] حکم نامہ مؤرخہ 29 مارچ 2023ء نے قرار دیا تھا کہ مذکور امور کے لیے قواعد سپریم کورٹ مشاورت کے ذریعے وضع کرے۔ قرآن مجید بھی مشاورت کو لازمی قرار دیتا ہے: وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ "وہ اپنے معاملات آپس کے مشورے سے طے کریں۔"[28] صدیوں سے مفسرین قرآن[29] اس آیت کی تفسیر پر متفق چلے آرہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان معاملات میں مشورہ کرنا واجب ہے جس کا تعلق ایک سے زیادہ افراد سے ہو کیونکہ: (ا) کسی کو دوسرے پر اپنی مرضی نہیں مسلط کرنی چاہیے؛ (ب) اپنی مرضی مسلط کرنے کا مطلب ہے کہ وہ شخص دوسروں کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، یا وہ خود کو دوسروں سے زیادہ عقلمند سمجھتا ہے؛ اور یہ دونوں باتیں اخلاقی لحاظ سے بری ہیں؛ (ج) لوگوں کے اجتماعی امور سے متعلق فیصلہ کرنا ایک سنجیدہ معاملہ ہے جس میں اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ انھوں نے اس آیت سے درج ذیل اصول اخذ کیے ہیں: (1) تمام درکار معلومات فراہم کی جانی چاہئیں؛ (2) تقرریاں خوف یا لالچ کی بنیاد پر نہیں کرنی چاہئیں؛ (3) قائدین کو مشیروں سے مشورہ لینا چاہیے؛ (4) مشیروں کو چاہیے کہ وہ اپنی ایماندارانہ اور سوچی سمجھی رائے دیں؛ اور (5) معاملات کو حتی الامکان اتفاق رائے سے طے کرنا چاہیے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو سکے تو کثرتِ رائے سے فیصلہ کرنا چاہیے۔

17. اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ لوگوں کے امور میں ان سے مشورہ کریں،[30] اور آپ کے صحابی روایت کرتے ہیں کہ "اللہ کے رسول سے زیادہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا کوئی نہیں تھا۔"[31]

مطلق اختیار

18. دنیا بھی اس دور سے نکل رہی ہے جب بادشاہ اور آمر مطلق اختیار استعمال کرتے تھے۔ کچھ عرصہ پہلے تک مملکتِ بھوٹان ان چند ممالک میں تھا جہاں ابھی مطلق اختیارات کی بادشاہت باقی تھی۔ تاہم روشن خیال بادشاہ وانگ چک نے رضامندی سے اپنے اختیارات یہ کہتے ہوئے چھوڑ دیے کہ: "میں نہیں سمجھتا کہ مطلق بادشاہت کا نظام جس کا کلّی انحصار ایک فرد پر ہو، طویل المدت تناظر میں لوگوں کے لیے کوئی اچھا نظام ہے۔۔۔ قوم کا مقدر لوگوں کے ہاتھ میں ہے، ہم ملک کا مستقبل ایک فرد کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتے۔"[32] بھوٹان

---

[25] ایضاً، دفعہ 2۔

[26] ایضاً، دفعہ 227۔

[27] ایضاً، دیباچہ / قراردادِ مقاصد، جسے دفعہ 2-اے نے "آئین کا باقاعدہ حصہ بنا دیا ہے اور وہ اسی حیثیت سے موثر ہو گا۔"

[28] القرآن، سورۃ الشوریٰ (42)، آیت 38۔

[29] میں صرف دو مثالیں ذکر کرتا ہوں؛ پہلی پاکستان کے معروف عالم دین ابو الاعلیٰ مودودی (1903ء-1979ء) کی تفسیر تفہیم القرآن (جلد 4، ص 508-510) اور دوسری قرطبہ، اندلس، سے تعلق رکھنے والے مفسر قرآن اور محدث ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی (1214ء-1273ء) کی الجامع لاحکام القرآن (جلد 18، ص 586-588)۔

[30] سورۃ آل عمران (3)، آیت 159۔

[31] سنن الترمذی، کتاب الجہاد، حدیث نمبر 48، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے۔

[32] یہ تحریر بھوٹان کی سپریم کورٹ کے ایک ستون پر کندہ ہے۔

Kismat Khan Zimri

Watermarkly

کا نظم ونسق اب ایک آئین کے تحت چلایا جاتا ہے۔[33] تاریخ گواہ ہے کہ جب اختیارات کا ارتکاز کسی ایک فرد میں ہو، تو اس کے نتائج ہمیشہ تباہ کن ہوتے ہیں۔

خطرات اور عواقب

19. اگر عدلیہ کے جواز، وقار اور اعتبار پر حرف آیا تو عدلیہ اور پاکستان کے عوام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا کیونکہ اس کے بغیر عوام (جن کے یہ کام آتی ہے) عدلیہ پر اپنا اعتماد کھو بیٹھیں گے۔ ایسا کرنے کا سب سے یقینی راستہ یہ ہے کہ مقدمات کے فیصلے آئین کے مطابق نہ کیے جائیں۔ پاکستان کو سب سے پہلے اس وقت برباد کیا گیا جب ایک بیوروکریٹ گورنر جنرل نے آئین ساز اسمبلی غیر آئینی طریقے سے برطرف کر دی اور سندھ چیف کورٹ[34] کا متفقہ فیصلہ وفاقی عدالت[35] نے منسوخ کر دیا۔ وفاقی عدالت کے فیصلے نے مستقبل کے آمروں کو سویلین حکومتیں برطرف کرنے کے قابل بنایا۔ افسوس ہے کہ ایک سے زائد مرتبہ چیف جسٹس اور سپریم کورٹ کے ججوں نے آمروں کی سہولت کاری کی۔ سب سے زیادہ مسلم آبادی والا ملک اس وجہ سے دولخت ہوا کہ آئینی انحرافات کو جواز دیے گئے۔

نتیجہ

20. چونکہ نہ تو آئین نے ہی اور نہ ہی کسی اور قانون نے کسی عدالت میں چھے جلیل القدر ججوں کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اختیار دیں، اس لیے مقدمہ نمبر 4 میں سپریم کورٹ کے حکم نامے مؤرخہ 29 مارچ 2023ء کو 4 اپریل کا نوٹ منسوخ نہیں کر سکتا۔ متکبرانہ آمریت کی دھند میں لپٹے کسی کمرۂ عدالت سے نکلنے والے فیصلے آئین کو برطرف نہیں کر سکتے۔

سینیئر پیونی جج

اسلام آباد

مؤرخہ: 8 اپریل 2023ء

اشاعت کے لیے منظور شدہ

---

[33] جسے 2008ء میں وضع کیا گیا۔

[34] جسے اب ہائی کورٹ آف سندھ کہا جاتا ہے۔

[35] جسے اب سپریم کورٹ آف پاکستان کہا جاتا ہے۔

Kismat Khan Zamri
Watermarkly